(۴) ڈرامہ:

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کی رو سے لفظ ڈراما اس یونانی لفظ سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں ''کر کے دکھائی ہوئی چیز''۔ بوطیقا میں ارسطو نے ڈرامے کی کوئی باقاعدہ تعریف پیش نہیں کی مگر اس سلسلے میں پیش کی گئی اس کی توضیحات سے ڈرامے کی تعریف اس طرح مرتب کی جا سکتی ہے۔

''ڈراما انسانی افعال کی ایسی نقل ہے جس میں الفاظ کی موزونیت اور نغمے کے ذریعے کرداروں کو محو گفتگو اور مصروف عمل ہو بہو ویسا ہی دکھایا جائے جیسے کہ وہ ہوتے ہیں یا ان سے بہتر یا بدتر انداز میں پیش کیا جائے۔'' (ترجمہ عزیز احمد، ایم اے اردو سال دوم، ساتواں پرچہ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی، ص ر ۱۰۸)

یوں تو مختلف ادیبوں اور دانشوروں نے ڈرامے کی متعدد تعریفیں پیش کی ہیں۔ جس کا نچوڑ یہ ہے۔ ''کسی قصے یا واقعے کو کرداروں کے ذریعے تماشائیوں کے روبرو پھر سے عملاً پیش کرنے کو ڈراما کہتے ہیں۔''

محققین کی ایک بڑی تعداد نواب واجد علی شاہ کو اردو کا پہلا ڈرامہ نگار اور ان کے ڈرامہ

www.urd

"رادھا کنہیا" کو اردو کا پہلا ڈرامہ مانتے ہیں۔ جب کہ بعض نقاد "علی بابا چالیس چور" (۱۸۵۲ء) کو پہلا ڈرامہ اور کیپٹن گرین ادے کو پہلا ڈرامہ نگار مانتے ہیں۔ حبیب تنویر، مرزا محمد ہادی رسوا، عبدالحلیم شرر، امتیاز علی تاج، خواجہ احمد عباس، عصمت چغتائی، منٹو، آغا حشر کاشمیری، پروفیسر محمد مجیب، راجندر سنگھ بیدی اور حیات اللہ انصاری مشہور ڈرامہ نگار ہیں۔

☆ **اجزائے ترکیبی:** (۱) پلاٹ (۲) کردار (۳) مکالمہ (۴) زبان (۵) موسیقی (۶) آرائش۔

☆ **اقسام:** (۱) ٹریجڈی (۲) کامیڈی (طربیہ) (۳) ٹریجڈی کامیڈی (الم طربیہ) (۴) میلوڈرامہ (۵) فارس (۶) ڈریم (۷) اوپیرا۔

کیا تھا۔ اس کے کچھ دیر بعد بے شمار افسانہ نگار سامنے آئے۔ اُردو میں افسانہ نگاری کو بڑی تیزی سے قبولِ عام ملا۔ اور اسی نسبت سے افسانے کے موضوعات میں وسعت اور تنوع پیدا ہوا۔ دورِ حاضر میں اُردو افسانہ فن کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ چکا ہے۔

دورِ جدید کے افسانے میں علامتی رنگ نمایاں ہے۔ قریب کے زمانے میں شمس آغا، رفیق حسین، قاسم محمود، عنایت اللہ، جوگندر پال، رام لعل، غلام الثقلین نقوی، یونس جاوید، الطاف فاطمہ، سلیم اختر، بلراج کومل، مسعود مفتی، حمید کاشمیری، صلاح الدین اکبر، انور سجاد، کمار پاشی، بانو قدسیہ، فرخندہ لودھی، میرزا ریاض، عذرا بخاری، نوریا انجم، رخشا ملوت، غیاث احمد گدی، اعجاز بٹ، رشید امجد، ذکاء الرحمٰن، قیوم راہی، حمیدہ رضوی، نکہت میرزا، مسعود اشعر، رفعت، محمد منشا یاد، ڈاکٹر احسن فاروقی، منظور الاسلام، اکرام اللہ، مسرت لغاری، پروین سرور، ام عمارہ، تقی حسنین خسرو، غلام محمد رحمان مذنب، خان فضل الرحمٰن، مرزا حامد بیگ، سمیع آہوجہ نے معیاری اور خوبصورت افسانے لکھے ہیں۔ ان میں سے بعض افسانہ نگاروں کے افسانوی مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

ڈرامہ

ڈرامے کا تصور قدیم یونان سے وابستہ ہے۔ ڈراما (Drama) کا لفظ یونانی زبان سے بنا ہے، جس کے معنی تمثیل، ناٹک یا سوانگ کے ہیں ان سب الفاظ کا مفہوم ہے "کچھ کر کے دکھانا"۔ ڈرامے سے انسان کی دلچسپی فطری ہے۔ "ڈراما" کی جامع تعریف کرنا مشکل ہے۔ ایک مغربی ناقد ہڈسن کے الفاظ میں "ڈراما ایک نقالی ہے جو حرکت (عمل) اور تقریر (مکالمہ) کے وسیلے سے کی جاتی ہے"۔ اُردو میں ڈرامے کے ایک ممتاز نقاد ڈاکٹر محمد اسلم قریشی کا خیال ہے کہ "ڈراما اسٹیج پر فطرت کی نقالی کا ایک ایسا فن ہے جس میں اداکاروں کے ذریعے زندگی کے غیر معمولی اور غیر متوقع حالات کے عمل میں "قوتِ ارادی" کا مظاہرہ تماشائیوں کے روبرو ایک معین وقت اور مخصوص انداز میں کیا جاتا ہے"۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ ڈراما وہ کہانی ہے جو مختلف کردار اپنی گفتگو اور اپنے عمل کے ذریعے اسٹیج پر پیش کرتے ہیں۔

داستان، ناول، افسانہ اور ڈرامہ قصے کے مختلف روپ ہیں بحیثیت قصہ ان چاروں میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ اوّل الذکر تین اصناف اور ڈرامے میں اتنا فرق ضرور ہے کہ اوّل الذکر اصناف میں کہانی یا بیان مصنف کی زبانی ہوتا ہے، جب کہ ڈرامے میں کہانی کا بیان ڈرامے کے

کردار اپنے عمل اور باتوں کے ذریعے کرتے ہیں۔ ایک معیاری ڈرامے میں ربط و تسلسل اور توازن و تناسب کی خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ اسی طرح ڈرامائیت کا عنصر بھی ضروری ہے۔ تذبذب پیدا کرنے کے لیے ڈرامہ نگار بعض اوقات ٹکراؤ اور کشمکش (conflict) کا استعمال کرتا ہے۔ ڈرامے کی کامیابی ان چیزوں کے بغیر ممکن نہیں۔

ڈرامے میں اسٹیج بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اسٹیج کے بغیر کوئی ڈرامہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ڈرامہ نگار کو ڈرامہ لکھتے ہوئے اسٹیج کی ضرورتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے، اسٹیج کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے اچھا ڈرامہ لکھنا ممکن نہیں۔ خیال رہے کہ اسٹیج، اصل ڈرامے کا حصہ نہیں ہوتا مگر ڈرامے کی پیشکش میں ضروری عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح پلاٹ کے بغیر کسی ڈرامے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس طرح ناول یا افسانے کے لیے ناگزیر ہے۔ اسی طرح ڈرامے کے لیے بھی ضروری ہے۔ اصلاً ڈرامہ بھی ایک طرح کا افسانہ ہی ہوتا ہے، جسے کرداروں کے مکالموں اور حرکات و سکنات کے ذریعے تماشائیوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ (پلاٹ کی حقیقت پر افسانے اور ناول کے ضمن میں بحث کی جا چکی ہے۔)

ڈراما چونکہ تماشائیوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس لیے تماشائی

ڈرامے کا اہم عنصر ہیں جن کی نفسیات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے، اچھے ڈراما نگار قبولِ عام کی خاطر ہمیشہ تماشائیوں یا ناظرین کی اجتماعی نفسیات کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ تاہم اچھا ڈرامہ نگار وہ ہے جو اجتماع کے لیے ڈرامے تحریر کرتے ہوئے بھی فرد کو قطعی طور پر نظر انداز نہ کرے۔

کردار یا اداکار اپنی گفتگو، اعمال اور حرکات و سکنات کے ذریعے ڈرامے کا آغاز کرتا ہے۔ ڈرامے کی ساخت، ترتیب و تعمیر میں حصہ لیتا ہے۔ اور ڈرامے کی تکمیل اور اختتام بھی اسی کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔ کسی ڈرامے کی کامیابی کا انحصار بڑی حد تک اداکار کی صلاحیتوں پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات ڈرامہ کسی خاص اداکار کی شخصیت کو پیشِ نظر رکھ کر لکھا جاتا ہے۔ بہر حال کردار، ڈرامے کا اہم ترین جزو ہے۔

کرداروں کی گفتگو، ڈرامے کا ضروری جزو ہے۔ مکالمے کے ذریعے ہی کہانی شروع ہوتی اور مختلف مراحل سے آگے بڑھتے ہوئے کسی نتیجے تک پہنچتی ہے۔ مکالموں کی طوالت یا اختصار، اُن کے طرزِ ادا، مختلف مواقع پر آوازوں کے اتار چڑھاؤ اور اُن کے مختلف تاثرات پر مکالمے کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار ہوتا ہے۔

بعض اوقات موسیقی کو بھی ڈرامے کے اجزا میں شامل کیا جاتا ہے، تاہم بہت سے ڈرامے اس کے بغیر بھی اسٹیج کیے جاتے ہیں۔

ڈرامے کی اہم قسمیں حسبِ ذیل ہیں :-

۱- المیہ (Tragedy) وہ ڈرامہ جس کا انجام المناک ہو۔ بعض اوقات انجام سے قطع نظر، المیہ کا مجموعی تاثر غم و اندوہ، ہمدردی اور دہشت کا ہوتا ہے۔ جس سے دردمندی اور رحم کے جذبات اُبھرتے ہیں۔

۲- طربیہ (comedy) وہ ڈرامہ جس کا انجام پُرمسرت ہوتا ہے طربیہ میں ہنسی مذاق، مسخرے پن اور ادنیٰ درجے کے لوگوں کے جذبات کو پیش کیا جاتا ہے۔

۳- سوانگ (Farce) سوانگ ایک مختصر مذاقیہ تمثیل ہوتی ہے، جس میں ادنیٰ مذاق اور مبالغہ آمیز بذلہ سنجی اور ظرافت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں کردار اور پلاٹ کی وضاحت کا امکان نہیں ہوتا ہے۔ تمسخر انگیز واقعات کثرت سے شامل کیے جاتے ہیں۔

۴- میلو ڈراما (Melodrama) میلو ڈراما ایک یونانی لفظ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی "گیت" کے ہیں۔ چنانچہ میلو ڈراما میں گیتوں کی کثرت ہوتی ہے۔ جذبات نویسی پر زور دیا جاتا ہے اور ظاہری شان و شکوہ کو اہم سمجھا جاتا ہے۔

۵- ڈریم (Dram) ڈریم کا مفہوم وسیع ہے۔ اس میں تہذیب و

تمدن اور معاشرت سے متعلق زندگی کے مختلف النوع مسائل پیش کیے جاتے ہیں۔ ایک اچھا ڈراما نگار ڈریم میں آفاقی تاثرات پیش کرتا ہے۔ آغا حشر کے ڈرامے "ترکی حور"، "دل کی پیاس"، "عورت کا پیار" اور "آنکھ کا نشہ" وغیرہ اسی نوع کے ڈراموں میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔

۶- مخلوط ڈرامہ: بعض اوقات کسی ڈرامے میں ہر نوع کے ڈراموں کی خصوصیات اس طرح ملی جلی ہوتی ہیں کہ انھیں الگ الگ نہیں کیا جا سکتا، ایسے ڈرامے میں ہر نوعیت کے تاثرات ہوتے ہیں اسے مخلوط ڈراما کہا جائیگا۔

۷- یک بابی ڈرامہ (One Act Play) تکنیک کے اعتبار سے یک بابی ڈرامہ فنِ ڈرامہ نگاری کی اہم قسم ہے۔ اس میں ایک ہی باب میں سارا ڈرامہ مکمل ہو جاتا ہے۔ عموماً ایسا ڈرامہ مختصر ہوتا ہے۔ دورِ حاضر میں زندگی کی مصروفیات بڑھ گئی ہیں۔ اس لیے یک بابی ڈرامہ کو قبولِ عام حاصل ہے۔ اسے ایکانکی ڈرامہ بھی کہتے ہیں۔

۸- نشری ڈرامہ: نشری ڈرامہ وہ ہے جو ریڈیو سے نشر ہوتا اور کانوں سے "سنا" جاتا ہے۔ ایسا ڈرامہ لکھنے میں خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ڈرامے میں صرف ان واقعات کو لیا جاتے جو آواز کے ذریعے پیش کیے جا سکیں۔ نشری ڈرامے کی پیش کش میں کامیابی کا انحصار پروڈیوسر کی صلاحیت پر ہوتا ہے اسے ریڈیائی ڈرامہ بھی کہتے ہیں۔

ڈرامے کی اقسام کے سلسلے میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ تاثر کے اعتبار سے ڈرامے کی دو بنیادی اقسام ہیں: ایک المیہ اور دوسرا طربیہ ——— باقی اقسام کو انہی کی ضمنی قسمیں سمجھنا چاہیے۔

■■■

ڈرامے کا مطالعہ کرتے ہوئے "ڈرامائی مفاہمت" کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ فنِ ڈرامہ کی ایک مخصوص اصطلاح ہے۔ جس طرح داستانوں میں مافوق فطرت عناصر یعنی جن، دیو اور جادو وغیرہ کی کرشمہ سازیاں، داستانوں کا ناگزیر حصہ ہوتی ہیں، کیونکہ داستان کے سامعین کی ان عناصر کے ساتھ ذہنی مفاہمت ہوتی ہے یا شاعری کی بعض اصطلاحات و تلمیحات کا ایک خاص مفہوم قارئین کے ذہن میں پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح ڈرامے میں بھی ڈرامہ نگار بعض غیر حقیقی اور خلافِ فطرت چیزیں پیش کرتا ہے اور سامعین، ڈرامائی تقاضوں کے پیشِ نظر اور فنی مفاہمت کے تحت ان کو گوارا کر لیتے ہیں۔ ڈرامائی مفاہمتیں بعض مفروضوں کے تحت قائم ہوتی ہیں۔ مثلاً اوپیرا میں یہ مفاہمت کام کرتی ہے کہ دنیا میں انسانوں کا ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے جس کی گفتگو ہمیشہ گانے میں ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈرامے کے تماشائیوں کو حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اداکار کی غیر فطری حرکات یا کسی کی موت کے موقع پر گانے پر اعتراض کریں۔ ایک اور مثال لیجیے، کسی ڈرامے میں جب ایک کمرے کا اندرونی منظر پیش

کیا جاتا ہے تو اس کی چوتھی دیوار نہیں ہوتی، اگرچہ حقیقی زندگی میں تین دیواروں کا کمرہ کبھی وجود میں نہیں آ سکتا، تاہم تماشائی کمرے کی چوتھی دیوار پر اصرار نہیں کرتے کیونکہ یہ چوتھی دیوار ڈراما دیکھنے میں حائل ہوتی ہے، لہٰذا وہ خوشی سے ایک غیر حقیقی کمرہ دیکھتے ہیں یہ "ڈرامائی مفاہمت" کہلائے گی۔

ڈرامائی مفاہمتوں میں بعض مستقل اور بنیادی نوعیت کی ہوتی ہیں اور بعض وقتی، عارضی اور ہنگامی نوعیت کی۔ ڈرامے میں ڈرامائی مفاہمتوں کی بڑی اہمیت ہے۔

■■■

واجد علی شاہ کو اُردو کا پہلا ڈرامہ نگار مانا جاتا ہے ان کا پہلا ڈرامہ رادھا کنہیا کا قصہ ہے۔ ابتدائی ڈراموں میں امانت لکھنوی کا "اندر سبھا" (۱۸۵۴ء) اپنے دور کا مقبول ترین ڈرامہ تھا۔ اس کی مقبولیت میں منظوم مکالموں، موسیقی اور ناچ گانوں کی کثرت کو دخل تھا۔

پارسیوں نے بمبئی میں تھیٹریکل کمپنیاں قائم کیں جن کے ذریعے تماشائیوں کے سامنے بے شمار ڈرامے پیش کیے۔ فنی اعتبار سے ان کے پیش کردہ ڈراموں کا معیار زیادہ بلند نہ تھا۔ بیشتر ڈراموں میں داستانوں کا سا انداز ملتا ہے۔ یہ سب ڈرامے کاروباری تقاضوں کو سامنے رکھ کر لکھے گئے، اس لیے ان کی سطح عامیانہ اور پست ہے۔ ناٹک کمپنیوں کے ڈرامہ نویسوں میں حافظ عبداللہ

روفق بنارسی، ظریف اور مرزا نظیر بیگ نسبتاً اہم ہیں۔ احسن لکھنوی نے مروجہ ڈرامے کا معیار بلند کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے اپنے بیشتر ڈراموں کی بنیاد انگریزی ڈراموں پر رکھی ان کے کچھ ڈرامے طبع زاد بھی ہیں۔ احسن کے ہاں حقیقت نگاری کے ساتھ زبان کی سادگی بھی نمایاں ہے۔ طالب بنارسی اُردو ڈرامے کو تصنع سے پاک کر کے زندگی کے حقیقی رُوپ سے آشنا کرنے کی کوشش کی۔ بیتاب کے ڈراموں کی بنیاد قدیم ہندو دیو مالا تھی۔ ان کے ڈرامے بھی کامیاب رہے۔ حشر کاشمیری (۱۸۷۹-۱۹۳۵ء) کو ہندوستان کا شکسپیر کہنا اگرچہ مبالغہ ہے۔ تاہم انھیں اپنے پیشرو اور ہم عصر ڈراما نویسوں سے کہیں زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کی قادرالکلامی اور خطابت کے رجحان نے ایسے پرجوش مکالمے تخلیق کیے کہ امتیاز علی تاج کے بقول: "دُنیا حشر کا کلمہ پڑھنے لگی"۔ اس میں شبہ نہیں کہ حشر کے ابتدائی دور کے ڈراموں میں لفظی شعبدہ بازی، قافیہ پیمائی اور گانوں کا غلبہ ہے۔ تاہم عمر اور تجربے میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کے فن میں بھی تبدیلیاں ہوتی گئیں۔ اور انھوں نے ڈرامے کے مروجہ انداز میں بڑی جدتیں پیدا کیں۔ اُن کے ڈراموں کے مقاصد بالعموم اصلاحی ہیں۔ آغا حشر کے ڈرامے اُردو ڈرامہ نگاری کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اُن کے ڈراموں میں رُستم و سہراب، ترکی حُور، اسیرِ حرص، شہیدِ ناز، یہودی کی لڑکی وغیرہ

اہم ہیں۔

تقریباً ۱۹۳۰ء میں آغا حشر کی ڈرامہ نگاری کا دور ختم ہوا۔ چند سال بعد ہندوستان میں ریڈیو نشریات کا آغاز ہوا۔ جس سے اُردو ڈرامہ ایک نئے دور میں داخل ہوا۔ ریڈیو کے لیے کثرت سے نشریاتی ڈرامے لکھے جانے لگے اور ریڈیائی ڈراموں کا ایک بڑا ذخیرہ وجود میں آ گیا۔ اسٹیج کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے بھی ڈرامے لکھے گئے۔

یوں تو محمد حسین آزاد (اکبر) شوق قدوائی (قاسم و زہرا) عبدالحلیم شرر (شہیدِ وفا) اور مرزا محمد ہادی رسوا (مُرقعِ لیلیٰ مجنوں) نے بھی ادبی ڈرامے لکھے، مگر جن اصحاب نے سنجیدگی کے ساتھ ڈرامہ نویسی کی طرف توجہ کی یعنی ایک طرف غیر ملکی معیاری ڈراموں کے خوبصورت تراجم کیے اور دوسری طرف طبع زاد ڈرامے بھی تخلیق کیے۔ ان میں حکیم احمد شجاع، مولانا ظفر علی خاں، سیّد امتیاز علی تاج، ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر محمد مجیب، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، ڈاکٹر عابد حسین، نور الٰہی، محمد عمر، عنایت اللہ دہلوی، سیّد انصار ناصری، عابد علی عابد، شاہد احمد دہلوی، تفضل حسین شاد، خادم محی الدین اور بہت سے دوسرے اصحاب قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں امتیاز علی تاج کی حیثیت اس لیے نمایاں ہے کہ انھوں نے ۱۹۲۲ء میں "انارکلی" لکھ کر آغا حشر کے روایتی فن سے انحراف کی ایک عمدہ مثال پیش کی۔

دورِ نو کے ڈرامہ نویسوں میں میرزا ادیب کا نام سب سے نمایاں ہے۔ انھوں نے نشری کے علاوہ ادبی ڈرامے کی روایت میں خوبصورت اضافہ کیا اُن کے ڈراموں کے متعدد مجموعے "آنسو اور ستارے"، "لہو اور قالین"، "شیشے کی دیوار" اور "خاک نشین" شائع ہو چکے ہیں۔ "پسِ پردہ" پر انھیں آدم جی انعام مل چکا ہے۔ "شیشے کی دیوار" ایک مکمل ڈراما ہے، میرزا ادیب نے بڑی لگن محنت اور استقلال کے ساتھ ڈرامہ نویسی کی ترویج میں حصہ لیا۔ ڈرامے کی تاریخ میں ان کا نام سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں جن اہلِ قلم نے ڈرامے کے ذخیرے میں معیاری ڈراموں کا اضافہ کیا۔ ان میں سعادت حسن منٹو، آغا بابر، اُپندر ناتھ اشک، اصغر بٹ اور رفیع پیرزادہ کے نام اہم ہیں۔ ویسے ریڈیائی ضرورتوں کے تحت دورِ جدید کے بیشتر اہلِ قلم نے ڈرامے لکھے ہیں۔ نئے لکھنے والوں میں سلیم احمد، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، باسط سلیم صدیقی، انتظار حسین، خواجہ معین، ہاجرہ مسرور، کمال احمد رضوی، انور جلال، ابراہیم جلیس، عنایت اللہ، ابصار عبدالعلی، امجد اسلام امجد، حسینہ معین، اطہر شاہ خان اور ذاکر علی

اگر یہ کہا جائے کہ اُردو ڈرامے کی ترقی میں ریڈیو اور اب ٹیلی ویژن کا حصہ سب سے زیادہ ہے تو بیجا نہ ہو گا۔ اُردو کے نوّے فی صد ڈرامے نشریاتی ضرورتوں کے تحت لکھے گئے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان

میں ریڈیو کے لیے ہر سال تقریباً دو ہزار ڈرامے لکھے جاتے ہیں۔

اُردو ڈرامے کو وہ ترقی اور عروج نصیب نہیں ہوا جو ناول یا مختصر افسانے کے حصے میں آئی۔ اس کی متعدد وجوہ ہیں جس میں تھیٹر اور اسٹیج کا عدم وجود خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ کچھ دیگر وجوہ بھی ہیں۔ اس کے باوجود ہمارے ٹی۔ وی ڈرامے کا معیار بہت بلند ہے۔